وحدتِ دین کا تصوّر

ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا

قانونِ ارتقاء کے تحت جیسے جیسے معاشرہ اپنی ابتدائی منزل سے، جسے شاہ ولی اللہ صاحب نے "ارتفاق اوّل" کا نام دیا ہے، ترقی کرکے اعلیٰ منازل کی طرف جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے مذہب کے اسلوب، طریقہائے اظہار یا انہیں آپ مناہج اور رسوم کہہ لیں، بدلتے جاتے اور ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ اس خیال کے حامیوں کے نزدیک مذہب انسان کا فطری خاصہ ہے جو اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے فطری کردار اور اعمال پر محیط ہوتا ہے۔ اور وہ اسی طرح عمومی قانون فطرت ہے، جیسے دوسرے حیاتیاتی قوانین ہیں۔ اور جس طرح پوری انسانی زندگی میں، جس کے یہ حیاتیاتی قوانین ایک حصہ ہیں، ارتقاء کا عمل ہوتا رہا ہے، ایسے ہی مذہب کا عملی اظہار جن شکلوں اور صورتوں میں ہوتا ہے ان میں بھی تاریخ کے ادوار میں ارتقاء جاری رہا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ انسانوں میں ستارہ پرستی عام تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں وہ ان لوگوں کے حالات کے مطابق ہو، لیکن حضرت ابراہیم ع نے اس کو ختم کیا، اور ستاروں کے ذریعہ خدا تک پہنچنے کے بجائے براہِ راست غیر مشہود خدائے مطلق کی عبادت کا طریقہ رائج فرمایا[۱]

---

۱ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے :- بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ ہے تو مدبّرِ کُل، لیکن اپنے مخصوص

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱ پر)

مظاہر فطرت کو قدرتِ خداوندی کا جلوہ سمجھنے کے بجائے انہیں خود ذات خداوندی کا قائم مقام بنالینا ارتقائے انسانی کی ابتدائی منزلوں میں عام تھا، اس دور میں انسان کے لئے یہ ایک امر محال تھا کہ وہ ذات خداوندی کا عالم تجرّد میں ادراک کرسکے۔ وہ ان مظاہر کو خدائی صفات کا حامل قرار دے دیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ایک اعلیٰ و برتر اور منزہ اور مجرّد ذات خداوندی کا تصوّر پیش فرمایا۔ اور مظاہر کو مظاہر کا درجہ دیا۔

بندوں کی شفاعت قبول کرتا ہے۔ اس لئے وہ ان مخصوص بندوں کو "عباد اللہ" کہنے سے گریز کرتے ہیں۔ عام یہود و نصاریٰ اور ہمارے زمانے کے بعض مسلمانوں میں یہ مرض ہے۔ اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہے کہ مشتبہ امور کو قائم مقام اصل کے نہ گردانا جائے۔ اس لئے وہ امور محسوسہ جن سے شرک کا شبہ ہو سکتا ہے شریعت نے کفر گردانا۔ جیسا کہ بتوں کے سامنے سجدہ کرنا، ان کے لئے جانور ذبح کرنا وغیرہ۔

اِس علم کے بارے میں پہلی مرتبہ مجھے یوں انکشاف ہوا کہ میرے سامنے ایک ایسی قوم پیش کی گئی، جو ایک چھوٹی سی مکھی کے سامنے جو ہر وقت اپنی دُم اور بازو ہلایا کرتی تھی، سجدہ کر رہی تھی۔ پھر میرے قلب میں القاء ہوا کہ کیا تم اس کے اندر شرک کی تاریکی پاتے ہو اور جس عصیاں نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہے وہ ان پر بھی محیط ہے؟ میں نے کہا، نہیں۔ ان کے اندر میں یہ چیز نہیں پاتا۔ کیونکہ ان لوگوں نے مکھی کو معبود نہیں گردانا بلکہ قبلہ گردانا ہے۔ اور تذلل و انکساری اور شرف و عزت کے اصل درجہ کو مخلوط نہیں کیا ہے اس پر مجھ سے کہا گیا کہ تم نے واقعی اس کا اصل راز پالیا۔ چنانچہ اس دن سے میرا قلب اسی علم سے معمور ہوگیا اور میں علم و بصیرت کی منزل تک پہنچ گیا۔ اور توحید و شرک اور شریعت نے جن امور کو مظنۂ توحید یا مظنۂ شرک گردانا ہے اس کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوگیا۔ اور عبادت و تدبیر میں کیا ربط اور تعلق ہے، اس سے اچھی طرح واقف ہوگیا۔ اور مجھے پوری پوری معرفت حاصل ہوگئی۔ واللہ اعلم"

ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے ستاروں کی معبود نہیں، بلکہ قبلہ سمجھ کر عبادت کی جاتی ہو اور چونکہ اس میں مظنۂ شرک تھا، اسی لئے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہو، اس کے بعد حضرت ابراہیم سے براہ راست اَن دیکھے خدا کی عبادت کا طریقہ رائج ہوا۔

اگر ہم دنیا کے بڑے مذاہب کا ان کے جو اخلاقی، فلسفیانہ، عباداتی اور روحانی پہلو ہیں، اس لحاظ سے مطالعہ کریں، تو ہمیں ان میں ارتقاء کے جو اعلیٰ درجات ہیں، ان تک انسان کے پہنچنے کے لئے جو نہایت ہی ضروری اور لابدی ذرائع ہیں۔ ان کے بارے میں عظیم صداقتیں اور اہم خیالات ملیں گے۔ جو کہ باقیات صالحات ہیں ان پیغامات کی جو وقتاً فوقتاً انسانیت کو دیئے گئے ہیں۔ ان عظیم پیغامات کی ایک جھلک ان مذاہب کے ادب اور ان کی تعلیمات کے مطالعہ میں آپ کو مل سکے گی، جو یہ ہیں۔ ہندومت۔ بدھ مت، زرتشتیت، کنفیوشینزم، ٹاوازم، یہودیت، عیسائیت، اور اسلام۔

یہ آٹھ مذاہب دنیا میں عظیم ادب، عظیم فن اور عظیم موسیقی کے سب سے بڑے سرچشمہ رہے ہیں۔ اور جب آپ ان کا جائزہ لیں۔ اور ان کا باہم مقابلہ کریں تو یہ حیرت انگیز حقیقت واشگاف ہوگی کہ جہاں ان میں کئی ایک معمولی اور بعض اوقات کئی بڑے امور میں وسیع اختلافات پائے جاتے ہیں، وہاں ان میں انسان کے خدا تک پہنچنے نیز خدا کی صفات کے متعلق، خواہ اس کی اپنی ذات کے بارے میں خواہ اپنی مخلوقات سے اس کے تعلق کے بارے میں، جو وسیع تر اصول ہیں، وہ ان سب مذاہب میں آپس میں ملتے ہیں، اور اگر وہ مختلف بھی ہیں تو ان میں تضاد نہیں، بلکہ ہم آہنگی ہے گویا جس طرح ایک ہی سورج کی روشنی مختلف رنگوں کے شیشوں کی کھڑکیوں میں منعکس ہوتی ہے، اسی طرح ایک خدا کے بارے میں ایک ہی حقیقت مختلف دماغوں کے مختلف شیشوں کے ذریعہ دنیا میں منعکس ہوئی ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کا عنوان ہے: "تمام مذاہب وادیان کی اصل ایک ہے۔ شرائع، مناہج، طریقے مختلف ہیں"۔ اس باب میں وہ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا (اس نے تمہارے لئے دین کا وہ راستہ ٹھہرایا ہے، جس پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا۔ اور اے پیغمبر! تمہاری طرف

---

[1] The Divine Universe by H. N. Spalding P P 1-2

بھی ہم نے اسی راستہ کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا) حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر اور معنی یہ کئے ہیں کہ اے محمدؐ! ہم نے تم کو اور ان کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان ھٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون۔ فتقطعوا امرھم بینھم زبراً کل حزب بما لدیھم فرحون (اور یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہے۔ تو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر لوگوں نے آپس میں پھوٹ ڈالکر اپنا اپنا دین جدا کرلیا۔ اور جو دین جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہے) یعنی تمہاری ملت اور تمہارا دین وملّت اسلام ہے اور مشرکین، یہود اور نصاریٰ نے اس میں پھوٹ ڈال دی۔

" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لکلٍ جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجاً (اور ہم نے وقتاً فوقتاً تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ خاص ٹھہرایا) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں شریعت اور منہاج کے معنی راہ اور طریقے کے ہیں۔

" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لکل امۃ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ (ہم نے ہر ایک امت کے لئے عبادت کے طریقے قرار دیئے کہ اُن پر چلتے رہیں"

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں :" معلوم ہونا چاہیئے کہ اصل دین ایک ہے اور تمام انبیائے کرام اس پر متفق ہیں۔ تمام انبیائے کرام کا اتفاق ہے کہ خدا کو ایک مانا جائے، اس کی عبادت کی جائے۔۔۔۔ قیامت حق ہے، مرنے کے بعد زندہ ہونا حق ہے۔۔۔۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام نیز نیکی کے اصولی اقسام پر بھی متفق ہیں۔۔۔۔ اور اسی طرح تمام انبیائے کرام نکاح کی ضرورت، زنا کی حرمت عدل والصاف قائم کرنے، ظلم وجور کی حرمت۔۔۔۔۔ پر متفق ہیں۔

" یہ امور ان لوگوں کے نزدیک جو قرآن کے مخاطب تھے۔ بطور مسلمات کے تھے اور اگر اختلاف تھا تو صرف ان امور کی صورتوں اور شکلوں میں تھا۔۔۔ حاصل کلام یہ کہ وہ خاص خاص صورتیں جو مخصوص ہیں یا مختلف قسم کی نیکیوں اور تدبیر نافعہ و معاشی اور معاشرت کی آ...

عمارت قائم کی جاتی ہے، انہیں کا نام شریعت اور منہاج ہے۔[۹]

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے، جن کی وجہ سے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کے لئے مختلف شرائع نازل ہوتے رہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء کرام کے شرائع میں اختلاف چند اسباب و مصالح کی بنا پر ہوا کرتا ہے اور یہ اس طرح کہ شرائع الہیہ کے لئے چند ایسے اسباب اور وجوہات ہوتے ہیں جن کی بنا پر ان شرائع کو شعائر قرار دیا جاتا ہے۔ اور شرائع کے مقدار و اندازے کی مشروعیت میں بھی مکلفین کے حالات، عادات اور اطوار کا لحاظ کیا جاتا ہے۔[۱۰] اس کی مثالیں دینے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

"انبیائے کرام کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان ارتفاقات اور معاشرت کی ان تدابیر نافعہ کی اصلاح کی جائے، جو ان کے مخاطبین میں موجود اور ان میں جاری و ساری ہیں۔ اور اسی لئے ان کو انکی مالوفات اور شب و روز کی عادی چیزوں سے یکسر جدا کر کے غیر مالوف چیزوں کی طرف دعوت نہیں دی جاتی۔ الا ماشاء اللہ اور یہ ظاہر ہے کہ مصالح کے مواقع باعتبار زمانہ اور عادتوں کے مختلف ہوا کرتے ہیں اور اسی بنا پر شریعتوں میں نسخ صحیح اور جائز ہے۔ اس کی مثال طبیب کی سی ہے کہ وہ ہر حال میں مزاج کا اعتدال اور اس کا تحفظ چاہتا ہے۔ اور اس لئے مختلف اشخاص اور مختلف اوقات کے لحاظ سے اس کے احکام اور طبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ جس چیز کا حکم وہ جوان کو دیتا ہے۔ بوڑھے کو نہیں دیتا۔ گرمیوں کے زمانے میں کھلے میدان اور کھلی ہوا میں سونے کا حکم دیتا ہے۔ اور سردیوں میں وہ گھر میں سونے کا حکم دیتا ہے کیونکہ گھر کے اندر سردی کا بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اصل دین اور شرائع و مناہج کے اختلاف کے اسباب کو سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ تغیر و تبدل درحقیقت تغیر و تبدل نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شرائع کی نسبت قوموں کی طرف ہوا کرتی ہے اور چونکہ ان کی استعداد و قابلیت نے یہ شرائع اور مناہج ان پر واجب اور لازم کئے ہیں اور زبان حال سے مناسب سعی والتجا کے ساتھ ان شرائع کی درخواست اور مطالبہ کیا ہے اس لئے بہت ملامت اور محل مواخذہ یہی قومیں اور یہی لوگ

اب مختلف مذاہب کی تعلیمات میں یہ جو ہم ظاہری اختلافات پاتے ہیں جنہیں شرائع و مناہج کا اختلاف کہنا چاہیئے، انہیں حل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان سارے مذاہب کا ایک اور صرف ایک دین کے مختلف پہلو سمجھ کر مطالعہ کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانیت اور اس کی تہذیب کے ارتقاء اور اس کی ذہنی جمالیاتی اور روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دین کو خود اپنے عمل ارتقاء میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ "انسانی تہذیب کی عمومی ترقی کا ایک رخ مذہب کی ترقی بھی ہے۔ جیسے آدمی ہوتے ہیں ایسے ہی انکے الٰہ (معبود) ہوتے ہیں۔ اجتماعی اخلاقیات اور انسانی آداب و اطوار کی ہر ترقی، اور دنیا اور اس کے قوانین کے بارے میں انسان کے علم میں ہر اضافہ اس کے تصورات میں جو وہ اپنے معبودوں کے متعلق رکھتا ہے اثر انداز ہوتا ہے۔" [1]

پھر انسانیت کے دورانِ ارتقاء میں اس کی ذہنی، جمالیاتی، روحانی اور معاشرتی ترقی نیز سیاسی اداروں کی تشکیل اور تہذیبی و ثقافتی قدروں کی سمتوں میں کئی پہلو ہوتے ہیں۔ وہ ذرائع جن کے توسط سے ارتقاء کی نچلی سطح سے انقلابی تبدیلیوں کے ساتھ بلند سطح پر پہنچنے میں بہت مدد ملتی رہی، وہ عام طور سے غیر معمولی افراد تھے جن کی بڑی پُر قوت شخصیتیں تھی اور انہیں غیر معمولی بصیرت اور مافوق الطبعی ذہن عطا ہوئے تھے، جو الہام اور وحی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اگر انسانیت کے مذہب کی تاریخ کا اس کے مختلف ارتقائی پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر تجزیہ کیا جائے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ مذہب ایک ہی ارتقائی تحریک ہے، اگرچہ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے یہ مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتی رہی ہے۔

مذہبی ارتقاء کے دوران جن ذرائع سے انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وقتاً فوقتاً جو پیغامات آتے رہے، ان کی نشر و اشاعت مختلف زمانوں میں مختلف

---

[1] Studies in the Philosophy of religion by Pringle Patteson. P.P. 8-

طبقات کے افراد کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے کاہن آتا ہے۔ اس کے بعد سیاسی فرمانروا یا سپاہی لیکن آخری پیغام کا حامل ایک تاجر بھی ہے اور عامل (ورکر) بھی ایک سیاح تاجر اپنے پیغام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور اسی طرح وہ مختلف قوموں کے درمیان ربط و ارتباط کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لئے آخری پیغام میں سفر اور سیاحت کو تعلیم اور تبلیغ کا بہترین طریقہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اس پیغام میں سب سے زیادہ تعریف عامل "ورکر" کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ہر وہ مفید عمل جس سے انسان کے حقیقی مقصد کی تکمیل میں مدد ملے وہ خدا کی عبادت ہے"۔ [1]

انسانی تاریخ کا اگر دوسری نظر سے تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جن بزرگوں اور عارفین کی بدولت انسانیت نے ترقی کی، اپنے اپنے وقت میں وہ تہذیب اور ثقافت (کلچر) کے مختلف پہلوؤں کے ارتقاء کا بھی ذریعہ بنے تھے۔ ثقافت سے یہاں میری مراد باطن کی اصلاح و تزکیہ اور افراد کی داخلی صلاحیتوں کی ترقی ہے۔ اور تہذیب کا تعلق میرے نزدیک اجتماعی زندگی کے ربط و ارتباط اور مختلف گروہوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے سے ہے۔ زرتشت، منو اور موسیٰ علیہ السلام نے انسانی تہذیب کے نمائندہ معلمین کی حیثیت سے جو تعلیم دی، اس کا بڑی اچھی طرح سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ زرتشت نے خاندانی زندگی کی طرح ڈالی۔ منو مشترکہ خاندانی زندگی اور دیہی آبادی کا بانی ہے۔ اور بنو اسرائیل کے رہنما و قائد حضرت موسیٰؑ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے قبائل کو متحد کر کے قومی زندگی کی ضرورت کو پورا کیا۔

تاریخ مذہب کے مطالعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ترقی یافتہ قدیم مذاہب میں روح اور مادہ کی دوئی پر زور دیا گیا اور روحانیت کی ترقی کو سب کچھ سمجھا گیا۔ اس کے خلاف بعض ایسے مذاہب بھی تھے، جن کا زیادہ زور زندگی کے معاشرتی پہلوؤں کی ترقی اور اس کے خارجی مظاہر کی تحسین پر تھا۔ اور انہوں نے باطنی زندگی کو اہمیت نہ دی۔ آخری الہامی مذہب، جو قرآن مجید پر مشتمل ہے، اس دوئی کو ختم کر کے

---

[1] Adventures of Brown Girl in her search for God - by - I. I. Qazi. P. P. 158 - 159

دونوں کو باہم مرتبط کرتا ہے۔ اس کے نزدیک آدمی کا ہر معمولی سے معمولی عمل اگر اس نسبت سے ہو کہ اس سے ایک عالمی و عمومی مقصد کو تقویت پہنچے گی۔ تو یہ بذات خود ایک بہترین عبادت ہے۔ انسانی ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں جب کہ مادیت اور روحانیت کی دوئی بعض اعتبار سے ایک ضرورت تھی، وہ ایک عالمی مذہب کے آنے سے ختم ہو گئی۔ اب بذات خود کوئی چیز غیر روحانی یا دنیادی نہیں رہی اگر اس سے خدائی مقصد کی تکمیل میں مدد ملتی ہے ؎

مذہب کے عام ارتقاء کی طرح خدا اور اللہ کا جو انسانی تصور ہے اس میں بھی برابر ارتقاء ہوتا رہا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں آپ کو انسانی معاشرے میں کسی نہ کسی شکل میں خدا کے بارے میں شعور ملے گا۔ "الہٰ" (معبود) کے تصور کے متعلق انسانی علم نے درجہ بدرجہ ترقی کی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ وقت آیا جب توحید کا تصور عام ہو گیا۔ اس ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان قوانین کی طرح جو زندگی کے مختلف شعبوں پہ کارفرما ہوتے ہیں، انسانوں کے نقطہ ہائے نظر، عقائد اور شعور بھی معاشرے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ بدلتے اور ترقی کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیت خدا کے بارے میں انسانی شعور کی بھی ہے۔ غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ افراد انسانی کے لئے خدا کے بارے میں شعور اتنا ہی فطری ہے جتنی کہ ان کی ذہنی اور روحانی ترقی؛ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی فطری ترقی اور اس کے طبائع و اطوار کے ارتقاء کے پہلو بہ پہلو خدا کے بارے میں اس کا یہ صحت مند شعور بھی ترقی کرتا رہا ہے۔ جہاں تک ابتدائی انسان کا تعلق ہے، لازماً اس میں بھی کسی نہ کسی صورت میں خدا کے بارے میں شعور ہو گا۔ گو یہ اس طرح واضح اور معین نہ ہو، جیسے کہ بعد کے ترقی یافتہ انسان میں ہے، ایک ایسی مافوق الطبعی طاقت جو پیدا کرتی ہے، پرورش کرتی ہے اور پھر موت دیتی ہے، یعنی خالق، رب اور ممیت کا شعور ابتدائی سے ابتدائی انسان کو بھی ضرور ہو گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ معاشرتی ارتقاء کی شروع کی منزلوں میں ان تین طاقتوں کو الگ الگ سمجھا جاتا ہو، اور ان کی کائنات پر علیحدہ علیحدہ فرمانروائی مانی جاتی ہو۔ اور بعد میں فہم و دانش کی ترقی اور علم کے مسلسل ارتقاء کے ساتھ

؎ Adventures of Brown Girl in her search for God - by - I. I. Qazi. P. P. - 159

کائنات پر ایک سے زیادہ فرمانروا طاقتوں کے خیال کی جگہ اس عقیدے نے لی ہو کہ اس ساری کائنات پر صرف ایک طاقت کی حکمرانی ہے جس کے ہاتھ میں یہ سارے اختیارات ہیں۔ مختصراً خدا کا یہ تصور انسانی شعور کی بعد کی ترقی یافتہ منزل میں آگے آیا ہے، اور جہاں تک قرآن کے تصورِ توحید کا تعلق ہے وہ تو اس سے بہت بلند تر ہے اور بڑے ترقی یافتہ انسانی معاشرے کے مذہب کا امتیاز ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ نہ صرف ایک خدا پر عقیدے کا اس شکل میں تعین ہوا، بلکہ روحانیت اور مادیت کی اس دوئی میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، "نئے نقطہ ہائے نظر کی تخلیق سے ہم آہنگی پیدا کر دی گئی، جس میں کہ ہر چیز کو اپنا ایک نیا مقام اور تناسب ملا۔ اور اس طرح یہ ہم آہنگی انسانی ذہن کی مزید ترقی کے امکانات کا باعث بنی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذریعہ ایک نئی اجتماعی زندگی کی بنیاد بھی پڑی جسے آپ مافوق قومیت اور بین الاقوامیت کہہ سکتے ہیں اور جو انسانی زندگی کو ایک نامی وحدت کلی کی طرف لے جانے میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ بنو نوع انسان میں مذہب کا جس طرح ارتقاء ہوا اس کے بعض عام پہلو سرسری طور سے اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اور اس ارتقاء کے مختلف مراحل میں اصحاب مذاہب، عارفین اور حکماء نے اس کی مختلف نمایاں خصوصیات پر جس طرح زور دیا ہے اس کا بھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اب ضرورت ہے کہ اس کی روشنی میں مذہب کا مطالعہ انسانی ترقی کی ایک مستقل اور منظم نامی تحریک کی حیثیت سے کیا جائے، جس کے پیش نظر افراد انسانی کی بلحاظ نوع انسان کے افراد ہونے کے ان کی جو فطری ضرورتیں اور تقاضے ہیں، ان کی تکمیل ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ انسانیت کے مذہب کی تاریخ کا مطالعہ اسکے ابتدائی مراحل سے شروع کیا جائے اور بتدریج اس کے ارتقاء کے اس ترقی یافتہ مرحلے پر پہنچا جائے، جب کہ وہ پوری نوع انسانی کے لئے ایک عالمی (Universal) اور ارتقائی (Synthesized) مذہب بن گیا ہے۔ یعنی ایسا مذہب جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ساری انسانیت ایک نامی وحدت کلی ہے۔ اور اس ساری کا ایک ہی خالق اور ایک ہی رب ہے۔ اور اس سب پر ایک ہی طاقت کی فرمانروائی اور حکمرانی ہے۔ اس عالمی وحدت کو سامنے رکھتے ہوئے فلسفۂ مذہب کے شارحین کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواہ وہ معاشرتی

[1] Adventures of Brown Girl in her search for God - P. 164 -

ہوں یا اخلاقی و روحانی اس مذہب کی تعلیم و تلقین کی اہمیت کا تجزیہ کریں۔ اس ضمن میں زندگی کی روحانی اور دنیوی (سیکولر) دو خانوں میں تقسیم کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ چنانچہ زندگی کا یہ اشتمالی نقطۂ نظر اس عظیم مذہب کی تعلیمات کے مقتضیات کو صحیح طور پر سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

جو لوگ فلسفۂ مذہب کا اس نظر سے مطالعہ کرنا چاہیں، انہیں اس میں شاہ ولی صاحب کے طریقۂ بحث سے بڑی مدد مل سکتی ہے، جو انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار کیا ہے۔ شاہ صاحب کا طریقۂ بحث بڑا جامع ہے اور وہ عالمی مذہب یا دین فطرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکتا ہے اور اس کا اطلاق انسانیت کے جو بھی ترقی یافتہ مذاہب ہیں ان کے تمام تر بنیادی اصولوں پر ہو سکتا ہے۔

○

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم۔ (اے مسلمانو! بہت چیزوں کا سوال نہ کیا کرو۔ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر کی جائیں گی، تو تمہارے حق میں بری ہوں گی۔ اور قرآن نازل ہونے کے وقت تم ان چیزوں کا حال دریافت کروگے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی)

اور اصل رضائے الٰہی اس میں ہے کہ نزول شرائع و احکام کے لئے اس قسم کے اسباب کم ہوں۔ کیونکہ اس قسم کے شرائع و احکام کا نزول اکثر و بیشتر کسی مخصوص مصلحت اور وقت خاص کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔ اور بعد میں جاکر پیچھے آنے والوں کے لئے تنگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مسائل دریافت کرنے کو برا سمجھتے تھے۔

(حجۃ اللہ البالغہ)